

AIOU

ASSIGNMENT: 02

COURSE CODE:

5415

SEMESTER SPRING
2021



EST.

2020

DIGITALSPOT

DIGITALSPOT.PK



WEBSITE:

WWW.DIGITALSPOT.PK

WHATSAPP:

+923065772734

امتحانی مشق نمبر 2

سوال نمبر 1 قدامت پسندی اور اضافہ آبادی کے مابین تعلق کی وضاحت کریں نیز بتائیں کہ کثرت آبادی ایک معاشرتی مسئلہ کب بنتی ہے؟

(20)

پاکستان 1947ء میں غریب ملک تھا مگر اس کی معاشی حالت چین، بھارت اور دنیا کے کئی دوسرے ممالک سے بہتر تھی۔ سیاسی قیادت مثالی تھی۔ پہلی وفاقی کابینہ معیاری تھی ابتدائی سالوں میں بجٹ خسارے کا نہیں تھا۔ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ دنیا کے کئی ممالک پاکستان کے معاشی منصوبے اپناتے رہے۔ آج کا پاکستان دنیا کا پسماندہ اور غریب ملک ہے۔ ایک فیصد پاکستانی نصف قومی دولت پر قابض ہیں اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ 99 فیصد شہریوں کی زندگی مشکل ہو چکی ہے۔ پاکستان کی روز بروز بڑھتی ہوئی آبادی غربت کا بڑا سبب ہے۔ آزادی کے وقت پاکستان کی آبادی 5 کروڑ تھی جو آج 20 کروڑ ہو چکی ہے اور 2.5 فیصد شرح سے بڑھ رہی ہے۔ وسائل کم ہیں اور آبادی زیادہ ہے جس کی وجہ سے غربت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر آبادی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو آبادی کا ایٹم بم کسی وقت پھٹ بھی سکتا ہے۔ افراط زر بھی غربت کا

سبب بن رہا ہے۔ ریاست کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہیں۔ بجٹ خسارے کو پورا کرنے کیلئے نوٹ چھاپے جاتے ہیں۔ بیرونی قرضے لیے جاتے ہیں جن سے پیداوار نہیں ہوتی البتہ قرضوں پر سود کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے جس سے قومی خزانے پر بوجھ پڑتا ہے اور قومی وسائل شہریوں پر خرچ نہیں ہوتے۔ ہوٹل بابت روزگاری سے بھی غربت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ زراعت اور صنعت کو مستحکم کیا جاتا تو روزگار کے مواقع پیدا ہوتے اور شہری غربت کی لکیر سے نیچے نہ جاتے۔ دہشت گردی اور بد امنی کی وجہ سے نہ تو بیرونی سرمایہ کاری ہو رہی ہے بلکہ مقامی سرمایہ کار بیرونی ملکوں کا رخ کر رہے ہیں۔ دہشت گردی کیخلاف جنگ نے پاکستان کی معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ایک اندازے کیطابق پاکستان کو ایک سو ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا ہے جس کی وجہ سے غربت میں اضافہ ہوا ہے۔ جہالت بھی غربت کا اہم سبب ہے۔ تعلیم پر بہت کم سرمایہ کاری ہوئی ہے۔ کروڑوں شہری ان پڑھ ہونے کی وجہ سے کام کاج کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اگر لوگ تعلیم یافتہ ہو جائیں اور ہنر سیکھ لیں تو وہ غربت سے باہر آسکتے ہیں مگر حکومتیں تعلیم کی جانب توجہ نہیں دیتیں۔ آج بھی تعلیم کا بجٹ 2 فیصد سے کم ہے حالانکہ سیاستدانوں نے انتخابات سے پہلے تعلیم کا بجٹ 4 فیصد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ پاکستان میں تعلیم کی شرح 50 فیصد ہے جسے ہنگامی بنیادوں پر بڑھانے کی ضرورت ہے۔ جہالت کی وجہ سے سماجی مسائل اور جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جہالت اور غربت خود کش بمبار پیدا کرتی ہے۔

پاکستان میں غیر منصفانہ سیاسی اور معاشی نظام بھی عدم مساوات اور غربت کا سبب بنا ہوا ہے۔ اگر قومی وسائل کی تقسیم منصفانہ ہوتی اور عوام کا استحصال نہ کیا جاتا تو پاکستان کے شہری بھوک اور افلاس کا شکار نہ ہوتے۔ جنگوں نے بھی پاکستان کی معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں کے بعد پاکستان کی ترقی متاثر ہوئی اور پاکستان کی معیشت زوال پذیر ہو گئی۔ اسی طرح افغان جنگ، کارگل کے تنازعے اور دہشت گردی کیخلاف طویل جنگ نے بھی پاکستان کو کمزور کیا ہے جس کی وجہ سے

Course: Imraniyaat (5415)

Semester: Spring 2021

غربت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان کے حکمران اگر چین کی حکمت عملی کی پیروی کرتے ہوئے جنگوں سے گریز کرتے اور معیشت پر پوری توجہ دیتے تو آج پاکستان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ اب بھی وقت ہے کہ پاکستان جنگوں اور محاذ آرائی سے گریز کر کے پرامن ذرائع سے اپنے مسائل حل کرے اور معاشی ترقی پر پوری توجہ دے۔ کرپشن پاکستان کا سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔ پاکستان کے قومی وسائل کو بے دردی کے ساتھ لوٹا جا رہا ہے۔ لوٹی ہوئی قومی دولت بیرونی ملکوں میں منتقل ہو رہی ہے گویا پاکستان کے جسم کا خون نچوڑا جا رہا ہے۔ لٹیروں قومی دولت لوٹ کر شہریوں کو بنیادی حقوق سے محروم کر دیتے ہیں اور لوگوں کی غربت کا سبب بنتے ہیں اگر کرپشن پر قابو پایا جائے تو پاکستان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتا ہے اور غربت کی شرح کم ہو سکتی ہے۔ گلوبل ازم اور نیو ورلڈ آرڈر نے بھی پس ماندہ ملکوں کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔ عالمی مالیاتی نظام جس کی بنیاد استحصال پر رکھی گئی ہے پس ماندہ ملکوں کو قرضوں کی لعنت میں مبتلا کر رہا ہے۔ عالمی مالیاتی ادارے پاکستان کی معیشت کو سامراجی مفادات کیلئے استعمال کر رہے ہیں اور پاکستان میں غربت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اگر معیشت آزاد ہو تو قومی تقاضوں کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ بیڈ گورننس نے وہ اسباب پیدا کیے جن کی وجہ سے جہالت، بے روزگاری اور غربت میں اضافہ ہوا۔ ریاستی ادارے انحطاط پذیر ہو گئے۔ پولیس کا نظام ناکارہ ہو گیا۔ پاکستان میں وہ سازگار ماحول ہی پیدا نہیں ہو سکا جو ترقی اور خوشحالی کیلئے لازم تھا۔ قانون کی حکمرانی کا خواب ہی چکنا چور ہو گیا۔ پاکستان کی بیوروکریسی جس نے نظام حکومت چلانا تھا ابن الوقت، موقع پرست اور مفاد پرست ثابت ہوئی۔ قومی پالیسیاں پے درپے ناکام ہوتی رہیں۔ شہریوں کو ترقی کرنے کے مساوی مواقع نہ مل سکے۔ احتساب کا صاف شفاف نظام قائم نہ کیا جاسکا۔ لوگ انصاف کیلئے ترستے رہے۔ بیڈ گورننس نے عوام کو مایوسی اور بددلی میں مبتلا کر دیا اور ان میں ترقی کی آرزو اور تمنا ہی پیدا نہ ہو سکی۔ پاکستان کے عوام کو غربت کی لکیر سے باہر لانے کیلئے قومی ایجنڈا تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے حکمران طبقے صدق دل کے ساتھ قومی ایجنڈے پر اتفاق کر لیں اور نیک نیتی کے ساتھ اس ایجنڈے پر عمل کریں تو دس سال کے اندر پاکستان کو غربت سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ جس ریاست میں اخلاقیات کا جنازہ نکل جائے وہ ریاست مختلف بحرانوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ پاکستان کے جرنیل، بیوروکریٹ اور سیاستدان اگر اخلاقی اقدار کے دفاع اور تحفظ کا فیصلہ کر لیں تو پاکستان تبدیل ہو سکتا ہے۔ جس قوم کا انفرادی کردار افسوسناک رہا اس قوم کا اجتماعی کردار کبھی قابل رشک نہیں ہو سکتا۔ جو قومیں اخلاقیات سے عاری ہو جاتی ہیں وہ عالمی سطح پر عزت اور وقار کھو بیٹھتی ہیں۔ پاکستان میں وسائل کی کمی نہیں ہے کردار کی خامی کی وجہ سے ہم اپنے قومی وسائل سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ غربت کے سمندر پیدا کرنے کے ہم خود ذمے دار ہیں اور ہم خود اس صورتحال کو تبدیل کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم مصمم ارادہ کر لیں اور یقین محکم کے ساتھ جدوجہد کا آغاز کریں۔ رب کائنات نے تو رزق کے وسائل سب انسانوں کیلئے پیدا کیے تھے۔ افسوس ہم نے انسانوں کو وسائل رزق سے محروم کر دیا۔ پاکستان میں نجی سطح پر سماجی اور رفاہی ادارے غربت کے خاتمے کیلئے مثالی کام کر رہے ہیں۔ یہ ادارے بے روزگار افراد کو آسان شرائط پر قرضے فراہم کرتے ہیں۔ یہ افراد چھوٹے کاروبار کر کے اپنے پائوں پر کھڑے ہو رہے ہیں اور غربت کی لکیر سے باہر آ رہے ہیں۔

خون پیچ کر روٹی خرید لایا ہوں

تمام کلاسز کی حل شدہ مشقیں ہماری ویب سائٹ² DIGITALSPOT.PK سے FREE میں ڈاؤن لوڈ کریں

LMS پر اپلوڈ کرنے کے کیلئے WORD یا اپنے نام سے PDF میں اسائنمنٹ مناسب قیمت میں حاصل کرنے کے لئے ہمارے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

گھر بیٹھے ہاتھ سے خوشخط لکھی ہوئی اسائنمنٹ منگوائیں وہ بھی بلکل مناسب قیمت پر تو ابھی آرڈر کرنے کے لئے ہم سے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

سوال نمبر 2 خودکشی کے عمرانی اسباب کیا ہیں؟ یہ رجحان کن معاشروں میں فروغ پاتا ہے؟

کسی شخص کا خود کو قصد اہلاک کرنے کا عمل خودکشی کہلاتا ہے۔ اس کے پیچھے کئی محرکات کارفرما ہوتے ہیں لیکن ہم میں سے اکثر لوگ اسے بزدلی، نفسیاتی بیماری، پاگل پن کا نام دے کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔ یاد رکھیے حادثہ ایک دم نہیں ہوتا، ہر خودکشی کے پیچھے کوئی قاتل ضرور ہوتا ہے۔ وہ قاتل ہم میں سے ہی کوئی ہوتا ہے کبھی استاد کی شکل میں تو کبھی سماج کے روپ میں۔ کبھی رشتے دار بن کر تو کبھی ماں باپ یا دوست بن کر۔ ہم اپنے رویے اپنے عمل سے کسی نہ کسی کو اس حد تک لے جاتے ہیں اور خودکشی پر اکساتے ہیں۔ بعد ازاں اسی شخص کو بزدلی کے طعنے دے کر خود کو مطمئن کر لیتے ہیں اور حسب ضرورت فتوے دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

ہر سال دنیا بھر میں لگ بھگ 8 سے 10 لاکھ افراد خودکشی کر کے اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں، ہر چالیس سیکنڈ میں ایک زندگی خودکشی کی نذر ہو جاتی ہے۔ طبی ماہرین نے انکشاف کیا ہے کہ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں ہر تیسرا فرد پڑمردگی یا ذہنی دباؤ میں مبتلا ہے اور پاکستان

میں بھی صورت حال مختلف نہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو پڑمردگی یا ڈپریشن عالمی سطح پر ایک نفسیاتی عارضہ بن کر ابھر چکا ہے۔ طبی ماہرین نے بتایا کہ پاکستان میں خواتین مردوں سے زیادہ خودکشی کر رہی ہیں۔

ہر سال 10 ستمبر کو خودکشی سے بچاؤ کا عالمی دن منایا جاتا ہے جس میں خودکشی کے اسباب اور محرکات پر غور و فکر کی ترغیب دینے کے لیے سیمینارز اور ورکشاپس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ خودکشی سے بچاؤ کے لیے اس کے محرکات کا علم ہونا بے حد ضروری ہے کہ آخر وہ کونسی شے ہے جو انسان کو اس قدر مایوسی کی جانب دھکیل دیتی ہے کہ انسان خود ہی اپنی

زندگی ختم کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ طبی ماہرین کے مطابق خودکشی کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں غربت، بیروزگاری، مایوسی، افسردگی، غصہ، افراتفری، پولیس تشدد، اعتماد

کی کمی اور امتحان میں کم نمبر آنا شامل ہیں تاہم خودکشی کے بنیادی اسباب دو ہیں، مالی مسائل اور خاندانی مسائل۔ آئے روز اخبار میں اس قسم کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ فلاں شخص نے بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کر لی یا فلاں لڑکی نے اپنی نس کاٹ کر خودکشی کر لی۔

یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ کوئی بھی شخص ایک دم ہی اتنا بڑا قدم نہیں اٹھاتا کہ وہ ایک ہی جست میں خود کو ختم کر لے بلکہ وہ آہستہ آہستہ اس جانب بڑھتا ہے باقاعدہ

سوچ کر پلان کر کے اس فعل کو انجام دیتا ہے۔ ماہرین نفسیات اس بات کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ ہر نفسیاتی بیماری کی طرح خودکشی کی جانب مائل ہونے والے شخص

میں چند علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں جن میں ابتدائی علامات زندگی کے بارے میں اس کے رویے میں تبدیلی کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ ایسا شخص یا تو ضرورت سے

زیادہ پرجوش نظر آنے لگتا ہے یا پھر خطرناک حد تک مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق اگر کسی شخص میں خودکشی کی انتہائی علامات موجود ہیں اور وہ کہہ رہا

ہے کہ وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہے یا اسے اپنی زندگی کا فائدہ نظر نہیں آتا تو ان باتوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایسے شخص سے گفتگو کر کے اس کے اندر موجود بھڑاس، غم و

غصے کو نکلنے کا موقع دینا چاہیے۔ ایسے وقت میں اس شخص کو کسی سامع کی ضرورت ہے جو فقط اسے سنے اور تب تک سنتا رہے جب تک وہ اپنے اندر کی ساری بھڑاس نکال نہ لے۔ ہم بحیثیت قوم افراتفری کا شکار ہو چکے ہیں اپنی ذات میں ہر ایک اس قدر مگن ہے کہ اسے یہ تک علم نہیں کہ میرے ساتھ بیٹھے شخص کی زندگی میں کیا چل رہا ہے، وہ کن حالات سے گزر رہا ہے۔ اگر ہمارے پاس وقت ہے تو وہ دوسروں پر نکتہ چینی کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اگر ہمیں خود کوئی اپنے مسائل سے آگاہ کرے اور مشورہ طلب کرے تو ہماری نصیحتوں اور فتوؤں کی پٹاری کھل جاتی ہے۔ ہم ہر مشورے کے ساتھ اس شخص کو اس بات کا احساس دلانا نہیں بھولتے کہ تم ایک ناکارہ شخص ہو، تم نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں کیا اور کوشش کرو گے بھی تو کام یاب نہیں ہو گے کیوں کہ تمہارے پاس نہ مجھ جیسی دانشوری ہے نہ ہی تجربہ۔ ان حالات میں وہ شخص مشورے کے بجائے مرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ہم نا صحیح تو بن گئے لیکن ہمدرد نہ بن سکے۔ غور کیجیے کہیں آپ، میں یا ہم میں سے کوئی تو نہیں جو ان خود کشی کرنے والوں کو اس نہج تک لانے کا سبب بنا ہو۔

ہمیں چاہیے کہ اگر ہم اپنے ارد گرد کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو کسی بھی سبب زندگی سے مایوس اور ناامید نظر آتا ہو تو اس سے گفتگو کریں، اسے سنیں اس کے مسائل کو ممکنہ حل پیش کریں۔ اگر مالی تعاون ممکن ہو تو وہ بھی کریں نہیں تو کم از کم ایک سامع کا کردار ادا کر کے اسے اس راہ کا مسافر نہ بننے دیں جس میں فقط اس کے لیے خسارہ ہے۔ اگر آپ میں سے بھی کوئی ایسے مسائل سے گزر رہا ہے جس کا حل آپ کو سمجھ نہیں آتا۔ پریشانی ہے، ڈپریشن ہے تو کسی سے بات کریں۔ کوئی نہیں ہے تو بھی گھر ایں نہیں وہ خالق کائنات ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے اس سے گفتگو کریں، اسے اپنے تمام مسائل کہہ دیں اور پھر تمام معاملات اس پر چھوڑ دیں وہ مسبب الاسباب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر کو ذہنی تناؤ کے حل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ”اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے آزمائیں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں ماور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔“ (البقرہ)

اگر آپ پریشان ہیں یا ذہنی تناؤ کا شکار ہیں تو ان چند چیزوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں: 1- تلاوت قرآن، 2- صوم صلاۃ کی پابندی، 3- چہل قدمی یا ورزش، 4- کچھ وقت گھر والوں کے ساتھ لازمی گزاریں ماور 5- مثبت سوچ۔ ان چیزوں پر عمل کر کے کسی بھی قسم کے ڈپریشن سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ یاد رکھیے خود کشی کرنا شاید آسان حل لگتا ہو لیکن یہ کسی بھی مسئلے کا حل ہرگز نہیں ہے۔ یہ کئی دیگر مسائل کی ابتدا ہے لہذا اپنی زندگی کی قدر کیجیے، اپنے سے جڑے رشتوں کی قدر کیجیے۔ اپنے ذہن کو منفی سوچوں کی آماجگاہ نہیں بننے دیجیے کسی بھی پریشانی کا آغاز منفی سوچ سے ہی ہوتا ہے اور اگر آپ والدین ہیں تو اپنی اولاد کی ضروریات کو سمجھیے، ان سے گفتگو کیجیے، ان کے مسائل سنیں، انہیں وقت دیجیے۔ انہیں اپنے فیصلوں میں ایک حد تک آزادی دیجیے تاکہ وہ گھٹن محسوس نہ کریں۔

خود کشی قتل انا ترک تمنایر اگ

سوال نمبر 3 دیہی علاقوں میں محنت کے باوجود اکثر لوگ قرضوں کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ کیوں؟ وضاحت کریں۔

پاکستان کی ساٹھ فیصد سے زائد آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے اور زیادہ تر زرعی شعبے سے وابستہ ہے۔ ہمارا کسان دن رات محنت کر کے وطن عزیز کیلئے خوراک اور صنعتوں کیلئے خام مال فراہم کرتا ہے۔ اس وقت ہماری برآمدات کا تقریباً 60 فیصد سے زائد حصہ براہ راست یا بالواسطہ زرعی شعبے کا ہی مرہون منت ہے۔ مقامی سطح پر روزگار کی فراہمی میں بھی یہ شعبہ اپنا بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ ملک کی اقتصادی، مالی، معاشرتی صورتحال کو ترقی دینے اور اسے مستحکم بنانے میں زرعی شعبے کا ہمیشہ سے ہی قابل ذکر حصہ رہا ہے اس کی سالانہ شرح نمو دوسرے شعبوں کی نسبت اوسطاً بہتر رہی ہے۔ اس کے باوجود زرعی شعبہ ہمیشہ سے حکمرانوں کی نظروں میں عملی طور پر غیر اہم رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نعروں اور دعوؤں میں ہمیشہ زرعی اور دیہی ترقی کا خواب دکھایا جاتا رہا ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ آپ پاکستان کے کسی بھی دیہی علاقے میں چلے جائیں آپ کو 16 ویں صدی یاد آجائے گی۔ گھپ اندھیروں میں ڈوبے دیہات آپ کو یقیناً پتھر اور غاروں کے زمانے کی یاد دلادینگے۔ شہروں میں چند گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ سے ہر طرف

طوفان برپا ہو جاتا ہے جبکہ دیہی علاقوں میں بجلی صرف اپنی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے آتی ہے یہی حال تعلیم، صحت، پانی، نکاسی آب، سڑکوں، صفائی اور دوسرے شعبوں کا ہے۔ بارش کے موسموں میں ایک دیہات کا دوسرے دیہات کے ساتھ رابطہ ممکن ہی نہیں رہتا ہے۔ ہر گاؤں کے ارد گرد گندے پانی کے تالاب اور گندگی کے ڈھیر حکومت اور ماحولیاتی آلودگی کے ماہرین کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ یہاں بھی تو انسان بستے ہیں تعلیمی اداروں کی عمارتوں کی حالت زار، اساتذہ کی کمی اور تعلیمی معیار، خواندگی کی شرح کے بڑھتے ہوئے جعلی گراف کو بے نقاب کرنے کیلئے کافی ہے۔ صحت عامہ کی اگر اصل صورتحال سامنے آجائے تو لوگ دانتوں میں اپنی انگلیاں دبالیں گے اور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ایسے ماحول میں دیہی عوام زندہ کیسے ہے؟ پینے کا آلودہ پانی دیہی عوام کو کینسر، جگر، معدے، ہیضے، ہڈیوں اور کئی جان لیوا بیماریوں کا شکار کر رہا ہے۔ زچہ بچہ کی صحت کے نام پر عالمی اداروں سے قرضے اور امداد بٹورنے والوں کو شاید دیہی علاقوں میں بڑھتی ہوئی شرح اموات اس لئے نظر نہیں آتی کہ ان کی ترجیح صرف بڑے بڑے شہر ہی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ زچہ بچہ کی صحت کے بارے میں جو بھی سیمینار مذاکرے یا سمپوزیم ہوتے ہیں وہ شہر کے بڑے بڑے فائیسٹار ہوٹلوں میں ہی ہوتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی کے ماہرین کو دیکھ لیں ان کی سرگرمیاں اور حیران کن کارکردگی سب بڑے اور کبھی کبھی چھوٹے شہروں تک ہی محدود نظر آتی ہے۔ شہری علاقوں کے نوجوانوں کو کس حد تک کھیلوں کے میدان اور ان ڈور سپورٹس کی سہولتیں میسر ہیں لیکن دیہی علاقوں کے نوجوانوں کو کچھ بھی تو میسر نہیں وہ بے چارے کسی کھیت میں جا کر اپنا یہ شوق پورا کر لیتے ہیں۔ آپ حیران ہونگے کہ حکومت ہر سال دیہی ترقی کے نام پر بیرون ممالک سے قرضے اور امداد تو حاصل کر لیتی ہے لیکن وہ کہاں خرچ ہوتے ہیں اس سے دیہی علاقوں میں کون کون سے منصوبے شروع ہوئے، دیہات میں کس قدر ترقی ہوئی یہاں کے رہنے والوں کے لائف سٹائل میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ یہاں سے بیروزگاری کی شرح میں کس قدر کمی ہوئی کسی کو کچھ نہیں پتہ۔ کیونکہ نام نہاد اور نمائشی کارکردگی انسانی آنکھ سے کبھی بھی نظر نہیں آتی۔ ہمارے حکمرانوں اور

Course: Imraniyaat (5415)

Semester: Spring 2021

سیاستدانوں نے ہمیشہ اپنے مخصوص سیاسی مفادات کے حصول کیلئے دیہی ترقی کے بلند بانگ دعوے کئے ان غریب عوام کی ہمدردیاں اور ووٹ حاصل کئے اور پھر انہیں یکسر فراموش کر دیا جس سے دیہی ترقی کا خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس وقت پاکستان 30 ہزار ارب روپے کے بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اس کے علاوہ ملکی معیشت کو چلانے کیلئے بارہ ارب ڈالر کی فوری ضرورت تھی جس کے حصول کیلئے ہمیں جو کچھ کرنا پڑا وہ سب کے سامنے ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور اقتصادی ماہرین کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ہر راستہ زرعی شعبے کا مرہون منت ہے لیکن بد قسمتی سے یہ شعبہ کبھی بھی ہماری ترجیح نہیں رہا۔ ہم یہ راگ تو اکثر الاپتے رہتے ہیں کہ ہماری معیشت کا زیادہ تر دار و مدار زراعت پر ہے لیکن عملاً کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ آپ حیران ہونگے کہ اس وقت پاکستان میں صرف 23.25 ملین ہیکٹر رقبہ پر کاشتکاری ہو رہی جبکہ 8.25 ملین ہیکٹر رقبہ قابل کاشت ہونے کے باوجود زیر استعمال نہیں ہے۔ زرعی ماہرین کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اگر ہم 8.25 ملین ہیکٹر قابل کاشت رقبہ کا صرف ایک چوتھائی بھی استعمال میں لے آئیں تو ہماری خود کفالت کا خواب حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے اس سے ہماری زراعت، دیہی علاقے اور کاشت کار سب خوشحال ہو جائیں گے۔ یہ قومی مفاد پر مبنی کام آخر کون کرے گا؟ ہمارے سیاست دانوں کو اپنے مفادات اور سیاسی لڑائی جھگڑوں سے فرصت ہوگی تو وہ ملک و قوم کیلئے کچھ کرنے کے قابل ہونگے۔ ملکی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ زرعی شعبے کی ترقی کیلئے کسی بھی حکومت نے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جو کچھ بھی کیا فرضی اور گمراہ کن اعداد و شمار پر مبنی رہا۔ پاکستان کا اقتصادی جائزہ جو حکومت پاکستان ہر سال باقاعدگی سے جاری کرتی ہے اسے پڑھ کر ایسے لگتا ہے کہ ہمارے دیہی علاقوں میں ہر سطح پر ترقی ہو چکی ہے۔ یہاں سے غربت کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہے کیونکہ اس سرکاری جائزے کے مطابق غربت مکافؤ فنڈ کا 80 فیصد حصہ دیہی علاقوں کو فراہم کیا گیا ہے۔ دیہاتوں میں پیشہ وارانہ تربیت نہایت وسیع پیمانے پر دی جا رہی ہے۔ لہذا ان علاقوں میں غربت میں کمی آرہی ہے۔ صحت کی سہولتیں 5600 بنیادی مراکز صحت اور 676 دیہی مرکز صحت نئے کھلنے سے بہتر ہو چکی ہیں سماجی تحفظ کیلئے دیہی علاقوں میں بے پناہ کام ہوا ہے تعلیم، صحت، پینے کے صاف پانی کی فراہمی، نکاسی آب اور پیشہ وارانہ تربیت کے فراہمی کیلئے خصوصی پالیسی اور سکیمیں بنائی گئی ہیں۔ اگر ہم ان سب دعوؤں کو صحیح بھی مان لیں تو پھر ہمیں حقیقت میں کچھ نظر بھی تو آنا چاہئے؟ ایشین ڈویلپمنٹ بنک (ADB) اور دیگر عالمی اداروں سے ہم نے زراعت اور دیہی علاقوں کی ترقی کیلئے جو قرضے اور فنڈ لئے تھے وہ کہاں گئے؟ عرصہ دراز سے دیہی علاقوں میں لائیو سٹاک کیلئے یو ایس ایڈ کاشتکاروں کو قرضے کیوں اور کس کی اجازت سے دے رہا ہے؟ غربت مکافؤ سکیم کے دیہی علاقوں پر کیا مثبت اثرات پڑے ہیں؟ ملک میں عوام کی ترقی اور خوشحالی کیلئے شروع کی جانے والی سکیمیں دیہی علاقوں میں کیوں شروع نہیں کی جاتیں؟ آخر ہمارے ”خیر خواہ سیاستدان“ دیہات میں رہنے والوں کو کب ”انسان“ سمجھیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ زراعت اور دیہی ترقی کے تمام فسانے کسی ڈرامے سے کم نہیں ہیں۔ وہ کون سا ظلم اور زیادتی ہے جو دیہی عوام کے ساتھ روا نہیں رکھا جا رہا؟ ملک میں بجلی کی کمی ہو جائے تو دیہی علاقوں میں لوڈ شیڈنگ کے طویل دورائے کو طویل تر کر دیا جاتا ہے۔ ملک میں فوڈ سکیورٹی کا مسئلہ ہو جائے تو کاشتکاروں کی اجناس زبردستی حاصل کر لی جاتی ہے۔ ملک کے خزانے کو بھرنا ہو تو زرعی شعبے میں استعمال ہونے والی مشینری پر ٹیکسوں

تمام کلاسز کی حل شدہ مشقیں ہماری ویب سائٹ DIGITALSPOT.PK سے FREE میں ڈاؤن لوڈ کریں

LMS پر اپلوڈ کرنے کے کیلئے WORD یا اپنے نام سے PDF میں اسائنمنٹ مناسب قیمت میں حاصل کرنے کے لئے ہمارے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

گھر بیٹھے ہاتھ سے خوشخط لکھی ہوئی اسائنمنٹ منگوائیں وہ بھی بالکل مناسب قیمت پر تو ابھی آرڈر کرنے کے لئے ہم سے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

Semester: Spring 2021

کی رقم میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ کسان اجناس کی فروخت کیلئے منڈی جاتا ہے تو مارکیٹ کمیٹی کی فیس میں کئی بار اضافے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دریاؤں میں سیلاب آجائے تو شہری علاقوں کو بچانے کیلئے حفاظتی بند توڑ کر کھیتوں اور دیہاتوں کو سمندر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جو قیمتی انسانی جانوں فصلوں، باغوں، جانوروں اور مکانات کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ حکومت ان سارے نقصانات کے ازالے کے بلند بانگ دعوے کرتی ہے لیکن بے چارے کاشتکار کو کچھ نہیں ملتا وہ مجبور ہو کر سرکاری حکام اور پٹواری کے پیچھے پھرتا ہے لیکن کوئی اس کی بات نہیں سنتا۔ ہاں ان متاثرہ علاقوں میں حکمران، سیاست دان، سرکاری حکام خاص کر وزراء کی فوج ”فوٹو سیشن“ کیلئے ضرور آتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہمارے سیاست دان اپنے جلسوں کی رونق بڑھانے کیلئے دیہی عوام کو تھانیداروں، پٹواریوں اور بااثر افراد کے ذریعے جلسہ گاہ ضرور لے آتی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ سادہ لوح دیہاتی اپنے ووٹ کی طاقت سے جاگیرداروں اور بااثر افراد کو حکومتی ایوانوں تک پہنچا دیتے ہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت قومی اسمبلی اور ملک کی چاروں صوبائی اسمبلیوں میں ممبران کی نصف سے کہیں زیادہ تر دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے۔ جنہوں نے اپنے حلقے کے دیہی عوام کے مسائل کو حل کروانے اور بالخصوص زراعت کی ترقی کیلئے کبھی آواز نہیں اٹھائی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب دیہی ترقی کیلئے متحد ہو کر آواز بلند کریں۔ ذرائع ابلاغ پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک کی اس اکثریتی آبادی کے مسائل کو اجاگر کرنے کیلئے بھرپور کوششیں کریں۔ حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دیہی ترقی کیلئے ٹھوس جامع اور قابل عمل منصوبہ بندی کرے۔ زراعت کو ترقی دینے کیلئے کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ مراعات اور سہولتیں دے۔ ارزاں نرخوں پر ٹیوب ویل، ٹریکٹر اور زرعی آلات کی فراہمی کو یقینی بنانے، کاشتکار کی پیداوار کو خریدنے کیلئے ہر ممکن اقدامات کرے اور اسے مل مین (آڑھتیوں) کی چیرہ دستیوں سے ہر صورت میں بچائے۔ زراعت کیلئے پانی کی فراہمی، منسوبہ، کیلئے، جامع، منصوبہ، بندی، کرے۔

کاشتکاروں کو تھانیدار اور پٹواریوں کی زیادتیوں اور من مانیوں سے بچائے۔ دیہی علاقوں میں تعلیم، صحت، پینے کے صاف پانی فراہمی، نکاسی آب، روزگار کی فراہمی، دیہی پیداوار سے متعلقہ صنعتوں کے قیام، مقامی طور پر فنی تربیت دینے اور خاص طور پر کھیت سے منڈی اور گاؤں سے گاؤں تک پختہ سڑکوں کے ذریعے ملانے کیلئے ترجیحی بنیادوں پر کام کرے۔ حکومت کو یہ بھی چاہئے کہ وہ زرعی مقاصد کیلئے کاشتکاروں کو انتہائی آسان شرائط اور کم سود پر زرعی قرضے زیادہ سے زیادہ فراہم کرے تاکہ کاشتکار زیادہ وسیع رقبے پر فصلیں کاشت کر کے ملک کو زرعی خود کفالت کی منزل تک پہنچا سکے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہم اپنی زراعت، دیہات اور دیہی عوام کی کو ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کر کے ہی پاکستان کی معیشت کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ بیرونی قرضوں سے نجات اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا ہونے کیلئے زرعی شعبے کی ترقی بے حد اہم ہے۔

سوال نمبر 4 جرائم کے تدارک کے حوالے سے تعلیمی ادارے جیسے اہم معاشرتی اداروں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ وضاحت کریں۔

پولیس کا کردار اُس وقت شروع ہوتا ہے جب جرم ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کا مرحلہ کہ جرم ہوتا کیوں ہے؟ اس پر خاصی بات ہو چکی ہے۔ اس وقت جو جرائم ہو رہے ہیں وہ

تمام کلاسز کی حل شدہ مشقیں ہماری ویب سائٹ **DIGITALSPOT.PK** سے **FREE** میں ڈاؤن لوڈ کریں

مختلف نوعیت کے ہیں۔ میں حل کی بات کروں۔ حل یہ ہے کہ آئین پاکستان پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے۔ آئین پاکستان کی دفعات 227، 228، 229، 230 اور

231 کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ملک میں قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق ہوگی، اور جو قوانین قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہوں گے ان کو نکالا جائے گا۔ اس کام کے لیے

اسلامی نظریاتی کونسل ہے، اس پر حقیقی معنوں میں عمل کیا جائے۔ عمل نہ کرنے یا نظر انداز کرنے سے بہت مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ دوسرا، آئین میں وفاق اور صوبوں کے

درمیان جو بھی تحریر ہے اس پر بھی خلوص نیت سے عمل ہو جائے، تیسرا اس ملک کا نظام پارلیمانی نظام جمہوریت ہے، اس پر بھی عمل درآمد ہو اور مسلسل انتخابات ہوں۔

اگر ملک میں مسلسل انتخابات ہو رہے ہوتے تو اب تک 16 الیکشن ہو چکے ہوتے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ اصل بنیاد ہے بیڈ گورنس کی۔ باقاعدگی سے الیکشن نہیں

ہوئے، اچھے سیاست دان اوپر نہیں آئے۔ اس وقت جو کچھ نظر آرہا ہے یہ اسی کا شاخسانہ ہے، خرابی کی اصل جڑ یہی ہے۔ 16 الیکشن اس وقت تک ہو چکے ہوتے تو آپ کو بہت

اچھے سیاست دان مل چکے ہوتے۔ اچھے وزراء اعلیٰ، اچھے وزیراعظم مل چکے ہوتے۔ کیونکہ ملک میں سیاسی استحکام نہیں ہے، سیاسی استحکام نہ ہونے کی وجہ سے معاشی استحکام

نہیں ہے، معاشی استحکام نہیں ہے تو معاشی شرح نمو گری ہوئی ہے۔ اس وقت بے روزگاری کی جو شرح ہے اُس کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ چڑاسی کی 10 اسامیوں کے

لیے 3 ہزار لوگوں نے درخواست دی ہے جن میں انٹر میڈیٹ سے لے کر بی اے اور ایم اے ڈگری کے حامل تک شامل ہیں۔ جب اتنی بڑی تعداد میں بے روزگار ہوں اور

آپ کا اکنامک گروتھ 4 فیصد پر ہو تو بے روزگار نوجوانوں کی کھپت کہاں ہوگی! چونکہ سیاسی استحکام اس ملک میں نہیں ہے، سرمایہ کاری نہیں ہوتی، مقامی سرمایہ کار دولت باہر

لے کر چلا جاتا ہے تو کہاں سے کارخانے لگیں گے؟ کہاں سے روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوں گے؟ اتنی بڑی تعداد میں بے روزگاری ہو، تو ان بے روزگاروں کو غلط راہ پر

لگانے کے لیے مختلف ممالک کی ایجنسیاں کام کرتی رہتی ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے۔ نظام ایسا ہو جو لوگوں کی کم سے کم ضرورت کو پورا کر سکے، بے

روزگاری الاؤنس ملے تاکہ جرم پر کوئی مجبور نہ ہو پائے۔ معاشرے میں سماجی و اقتصادی ظلم موجود ہے۔ یہ ساری چیزیں ہیں بیڈ گورنس کی وجہ سے۔ اسی طرح تعلیمی نظام

تربیت دے ہی نہیں رہا ہے۔ آج بیکن ہاؤس یا سٹی اسکول کے پڑھے لکھے بچے کو پتا ہی نہیں کہ مولانا الطاف حسین حالی کون ہیں؟ پرانے نصاب میں شیخ سعدی، مولانا رومی،

گلستان بوستان حکایتیں پڑھائی جاتی تھیں، وہ ساری چیزیں ختم کر دی گئیں۔ ان چیزوں سے تربیت ملتی تھی۔ پھر نصاب ایک نہیں ہے، جس کی مرضی، جو نصاب بنالے۔

پرائیویٹ اسکولوں کا الگ نصاب ہے، سرکاری اسکولوں کا الگ... پنجاب کا الگ ہے اور سندھ کا الگ۔ پورے پاکستان کا یکساں نصاب بنانے کی ضرورت ہے۔ میں نے تین سال

اقوام متحدہ میں کام کیا... دو سال بوسنیا میں، ایک سال کوسوو میں۔ وہاں دورانِ تعلیم ہی بچوں کو کہا جاتا ہے کہ کس طرح سڑک پار کرنی ہے، کہاں کہاں زیبرا کراسنگ ہے۔

اساتذہ لے جاتے ہیں اور تربیت کرتے ہیں۔ کمیونٹی بھی بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارا میڈیا بے لگام ہو گیا ہے۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ آرٹیکل 37 سب سیکشن

G اٹھائیں، اس میں لکھا ہے کہ الیکٹرانک وپرنٹ میڈیا میں فحش چیزوں کی پرنٹنگ وپیلی کیشن کو روکا جائے گا، ریاست پاکستان ایکشن لے گی۔ آپ اس پر عمل نہیں کرتے،

اسی کی وجہ سے کچھ دوسرے طبقات اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ میڈیا جرم کرنا سکھا رہا ہے کہ کس طرح کرنا ہے۔ بجائے یہ کہ جرائم پر کنٹرول ہو، آدمی نئے نئے طریقے

Course: Imraniyaat (5415)

Semester: Spring 2021

سیکھتا ہے میڈیا کے ذریعے۔ ابھی میں نے ایک کیس پکڑا جس میں ایک لڑکے نے اپنے دوست کو پیسے کے لیے مار کر دفن کر دیا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ گھر کرائے پر لینا، دفن کرنا، یہ آئیڈیام نے کہاں سے لیا؟ اس نے کہا کہ میں نے مووی دیکھی تھی۔ میڈیا ضابطہ اخلاق بنانے کی ضرورت ہے، اس کے بعد پولیس کا کردار شروع ہوتا ہے۔ اس میں تھوڑا سا میں میڈم (بیرسٹر شاہدہ جمیل) سے اختلاف کروں گا کہ 1934ء کا جو پولیس رول ہے وہ پولیس ایکٹ کے ماتحت بنا ہوا ہے، اس میں پروسیجرز رول 1934ء سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ وہ پروفارمز ہیں کہ ایف آئی آر کا پروفارم کیا ہوگا، انسپکشن کا پروفارم کیا ہوگا، یا مالیاتی حساب کتاب کس طرح رکھیں گے۔ اصل اختلاف ہے پولیس ایکٹ 1861ء سے، جس کے اندر انسپکٹر جنرل آف پولیس کو اختیارات نہیں ہیں۔ عدالت نے تشریح کر کے 70 سال بعد فیصلہ دیا۔ اس پر کب تک عمل درآمد ہوتا ہے، دیکھا جائے گا۔ میں آسان الفاظ میں بتاؤں کہ مجھے محکمہ پولیس کے لیے بطور آئی جی کلاشنکوف کی ضرورت ہے، ایک ک ہزار ایس ایم جی کی ضرورت ہے۔ میری سمی براہ راست شعبہ فنانس میں نہیں جائے گی، وہ ہوم سیکرٹری کے پاس جائے گی، اور وہ میری پروپوزل مسترد کر سکتا ہے۔ ہم ٹریننگ کروا رہے تھے، ہم نے لکھا کہ ہمیں آرمی ٹریننگ کے لیے 50 گولیوں کی ضرورت ہے۔ ایک سپاہی 50 گولیاں فائر کرے گا۔ وہاں ایک سیکشن افسر نے کہا 50 نہیں 10 گولیاں دو۔ ارے بھائی، تمہیں کیا پتا کہ 50 گولیوں کی ضرورت ہے یا کم کی! پولیس ایکٹ 2002ء میں کہا گیا ہے کہ آئی جی کی جو سمی ہے وہ براہ راست فنانس ڈپارٹمنٹ میں جائے، آئی جی کی ایڈوائس کو ایک سیکشن افسر اس طرح مسترد نہ کرے۔ جس کا مداوا کیا گیا پولیس آرڈر 2002ء میں، وہ بہت سمجھ بوجھ کر بنایا گیا تھا، جو خاصی کامیابی سے چل رہا تھا، اس سے پبلک سروس اور اینڈ پولیس بن رہی تھی۔ لیکن معذرت کے ساتھ، جو پالیسی میکر ہیں وہ چاہتے نہیں۔ وہ تو پولیس سروس اور اینڈ چاہتے ہیں۔ احتساب کا نظام اتھارٹی کے اندر۔ ضلع، صوبے میں پولیس سیفٹی کمیشن تھا، قومی سطح پر پبلک سروس سیفٹی کمیشن تھا، اس کی جو تربیت دی گئی تھی اس کے اندر وکلا تھے، جج تھے، ڈاکٹر تھے اور سول سوسائٹی تھی۔ اس کے سامنے پولیس جو ابده تھی۔ اگر 1861ء پولیس ایکٹ اتنا ہی اچھا تھا تو برطانیہ جس نے بنایا تھا وہ اپنے ہاں نافذ کر لیتا، لیکن اُس نے اپنے ملک کے لیے میٹروپولیٹن پولیس سسٹم بنایا 1829ء میں۔ جبکہ اس نظام سے مکمل الگ نظام غلام ملک کے لیے نافذ کیا۔ وہاں کے عدالتی نظام میں جیوری کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے، اور جیوری میں عام شہری ہوتے ہیں۔ برطانیہ نے اپنا پولیس اور عدالتی نظام الگ بنایا ہوا ہے۔ گور اچلا گیا، کالے حکام کو یہ نظام سوٹ کرتا ہے، اس لیے وہ اسے تبدیل کرنا نہیں چاہتے، حالانکہ اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسے تبدیل ہوگا؟ یہ اسی صورت تبدیل ہوگا جب اس کے لیے عوام کا دباؤ بڑھے گا، اور اچھے سیاست دان، اچھے حکمران آئیں گے۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ پولیس قوانین میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ ٹرانسفر پوسٹنگ کے لیے نہ صرف پولیس بلکہ سول سروس کو آئینی تحفظ کی ضرورت ہے۔ آپ کسی بھی سول سرونٹ کا چاہے ڈپٹی کمشنر ہو، کمشنر ہو، چیف سیکرٹری ہو، آئی جی ہو، تین سال سے پہلے ٹرانسفر نہ کریں۔ اگر اس کے خلاف کرپشن کا کوئی بڑا کیس آئے، اس کے خلاف کوئی عدالتی تحقیقات ہو تو اس پر اسمبلی میں بحث کروائیں۔ پولیس آرڈر میں لکھا تھا کہ اسمبلی جب اکثریت سے بل پاس کرے گی تب جا کر ہوگا۔ یہاں تو ایک ٹیلی فون کال پر فرد ہٹ جاتا ہے چاہے وہ ڈپٹی کمشنر ہو، ایس ایس پی ہو یا ڈی آئی جی۔ یہ نظام جب تک رہے گا اُس وقت تک پولیس کی کارکردگی میں بہتری نہیں آئے گی، جس کو آسان لفظوں

تہام کلاسز کی حل شدہ مشقیں ہماری ویب سائٹ⁹ DIGITALSPOT.PK سے FREE میں ڈاؤن لوڈ کریں

LMS پر اپلوڈ کرنے کے لیے WORD یا اپنے نام سے PDF میں اسائنمنٹ مناسب قیمت میں حاصل کرنے کے لئے ہمارے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

گھر بیٹھے ہاتھ سے خوشخط لکھی ہوئی اسائنمنٹ منگوائیں وہ بھی بلکل مناسب قیمت پر تو ابھی آرڈر کرنے کے لئے ہم سے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

Semester: Spring 2021

میں پولیس کی (سیاسی دباؤ سے آزاد کرنا) کہا جاتا ہے۔ دونوں ادوار یہاں پر آئے ہیں، فوجی دور بھی اور سیاسی دور بھی... دونوں ادوار میں یہ چیزیں نہیں ہو سکی ہیں۔ تھوڑی بہت ریفارم پولیس آرڈر 2002 میں آئی تھیں، وہ آئیڈیل نہیں تھا، لیکن قدرے بہتر تھا۔ اب میں آتا ہوں دوسرے ملکوں کی طرف کہ وہاں پولیس میں بھرتی کیسے ہوتی ہے۔ وہاں پولیس کو بطور پروفیشن اختیار کیا جاتا ہے جیسے یہاں آپ انٹر میڈیٹ کے بعد میڈیکل یا انجینئرنگ کو بطور پروفیشن اختیار کرتے ہیں۔ آپ کو پانچ سال پولیس یونیورسٹی میں پڑھنا پڑتا ہے۔ وہاں عملی تربیت ہوتی ہے۔ جونیئر افسران کی الگ ہوتی ہے اور سینئر افسران کی الگ۔ برطانیہ کے پولیس نظام میں بھرتی صرف ایک سطح پر ہے، یعنی پولیس کانسٹیبل کی سطح پر۔ وہ اپنے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ لے جاتے ہیں، اس کے بعد اپنی سینیاریٹی اور مختلف انٹرئل امتحانات پاس کر کے رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس ہر سطح پر بھرتی ہوتی ہے۔ مرضی ہے تو اے ایس آئی کی سطح پر بھرتی کر لیتے ہیں۔ مرضی ہے تو انسپکٹر کی سطح پر بھرتی کر لیتے ہیں۔ اتنی سطحوں پر بھرتیاں دوسرے ملکوں میں نہیں ہوتیں۔ پھر بھرتی کے بعد مناسب تربیت نہیں ہوتی۔ 9 ماہ ٹریننگ ناکافی مدت ہے۔ میں اس بات سے اتفاق کروں گا کہ پولیس میں بھرتی کا معیار بہت پست ہے۔ اس میں ہم نے این ٹی ایس کے ذریعے نسبتاً بہتر لاٹ لی ہے۔ بحیثیت مجموعی صوبے کا معیارِ تعلیم بہت پست ہے۔ ایم اے اکنامکس کے باوجود انہیں میکرو اکنامکس اور مائیکرو اکنامکس کا پتا

نہیں ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ملک میں بڑھتے ہوئے جرائم کے اسباب کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا، اور نہ ان کے سدباب کے لیے سنجیدہ کوششیں کی گئیں، بلکہ ہمارے حکمرانوں نے ملک کے قانونی ڈھانچے میں مرضی کی ترمیم کر کے مجرموں کو قانون کی گرفت سے بچ نکلنے کے مواقع فراہم کیے۔ گزشتہ چالیس سال کے دوران ہمارے قانون سازوں نے انگریز کے بنائے ہوئے قوانین کو تبدیل کرنے کی آڑ میں ایسی مایوس کن تبدیلیاں کیں جن سے مجرموں کو قانون کی گرفت میں لانا نہ صرف مشکل ہو گیا ہے بلکہ انھیں سزائیں دلانا بھی آسان نہیں رہا ہے۔ ادھر دہشت گردی کے قوانین کی تعریف کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ دہشت گردوں پر پولیس کے لیے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں رہا۔ جبکہ ترمیم شدہ قوانین کے تحت دہشت گردوں کو قرار واقعی سزائیں دی ہی نہیں جاسکتیں۔ بحیثیت وزیر قانون چند سیشن ججوں کی نشاندہی پر میں نے دہشت گردی کے قوانین کی تعریف کو آسان تر بنایا، جس سے دہشت گردوں کو سزائیں دلانا ممکن ہوا، لیکن میری وزارت کے بعد ان ترمیمات کو ختم کرا کے اور نئی ترمیم کر کے قوانین کو دوبارہ پیچیدہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد دہشت گردوں کو قانون کی گرفت میں لانا مزید مشکل ہو گیا۔ میں کہتی ہوں اس پورے ایجنڈے میں ایک شر ہے جو کسی چیز کو صحیح نہیں ہونے دیتا، جس کی وجہ سے معاملات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ پولیس قوانین کے حوالے سے ایک بہت افسوسناک پہلو پربات کرنا چاہوں گی، وہ یہ کہ پولیس کے زیر استعمال ایک بلیوبک ہوتی ہے، یہ ملکی قوانین سے بالاتر ہے، اس میں آئی جی یا کوئی سینئر افسر اسٹینڈنگ آرڈر یعنی عملدرآمد کا حکم درج کرتا رہتا ہے، جس پر ملکی قانون کی طرح عمل کرنا ہوتا ہے۔ میں قانون سے بالا اس بلیوبک پولیس آرڈر کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہوں گی۔ اس بلیوبک پولیس اسٹینڈنگ آرڈر کے تحت اگر شوہر بیوی پر تشدد کرے تو پولیس گھریلو تنازع قرار دے کر شوہر کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کرتی، جب کہ ملکی قانون کے مطابق یہ قابل دست اندازی پولیس جرم ہے، لیکن پولیس خود ساختہ حکم کے بموجب ملکی قانون کو نظر انداز کر کے کارروائی نہیں کرتی۔ جب تک بیوی شوہر کے تشدد سے مرنے جائے، پولیس حرکت میں نہیں آتی۔ یہ بلیوبک کس نے

ایجاد کی، کس قانون کے تحت رائج کی گئی؟ کوئی بتانے کو تیار نہیں ہے۔ جرائم بڑھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری حکومتوں نے قوانین تو اچھے خاصے بنالیے ہیں لیکن ان پر سیاسی دباؤ یا مذموم مقاصد کی بنا پر عمل نہیں کیا جاتا، پھر ظاہر ہے جرائم تو بڑھنے ہی ہیں۔ ہم نے ان سٹریٹسوں میں قوانین میں جو ترامیم کی ہیں ان سے قانون کی گرفت مضبوط ہونے کے بجائے ڈھیلی پڑی ہے۔ اس سے بھی جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مجرموں کے سزاؤں سے بچ جانے کی نظیروں اور مثالوں سے بھی لوگوں میں جرائم کرنے کی ہمت اور دلیری پیدا ہوتی ہے، جس سے معاشرے میں جرائم کا رجحان بڑھتا ہے۔ ابتدا میں ہمارے نصابِ تعلیم میں کردار سازی کے اسباق شامل تھے۔ پھر قومی نصاب سے کردار سازی اور اخلاقیات کے ابواب نکال دیئے گئے جس سے قوم میں اخلاقی انحطاط آیا۔ اس بنا پر مجرمانہ ذہنت پر وان چڑھی جس سے جرائم بڑھے۔ ان تمام عوامل کا سدباب یا حل یہی ہے کہ قوانین بلا سیاسی مداخلت بنانا اور ان پر عملدرآمد ہونا چاہیے۔ آبادی میں اضافے کے حوالے سے ہمیں اپنی قومی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے، ورنہ معاشرہ جرائم کا بوجھ برداشت نہیں کر سکے گا۔ ہمارے قانون میں جو غلطیاں ہیں، ہمیں انھیں دیکھنا پڑے گا۔ وہ ایسی غلطیاں ہیں جن سے مجرم کو سزا دلانے کا پورا طریقہ کار خراب ہو گیا ہے۔ ہم قانون پر اس وقت سمجھوتہ کرتے ہیں جب گواہوں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ قانون پر سمجھوتہ کر سکتے ہیں، باقاعدہ غائب ہو سکتے ہیں۔ یہ جو چیز ہے یہ آہستہ آہستہ ہمارے قانون دیت کے اندر باقاعدہ لائی گئی اور اس کی وجہ سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ اس کا اسلام اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قصاص کے قانون میں پہلے ثابت کرنا ہوتا ہے کہ کوئی مجرم ہے، تب یہ مرحلہ آتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔ ہم ٹرائل سے قبل ہی سمجھوتہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح ٹرائل شروع ہونے سے پہلے ہی ملزم چھوٹ جاتا ہے۔ اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ شریعت میں لازم ہے کہ آپ صحیح طریقے سے ٹرائل کو چلائیں، ٹرائل میں کوئی خلل یا سمجھوتہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر بہت سی آیات ہیں، یہ کہ ہمیشہ سچ بولو اور مقدمہ چلانے میں تعاون کرو تا کہ انصاف ہو۔ ہم مک مکا کر کے گواہان کو بھگا دیتے ہیں۔ ہم کچھ نہیں کہتے۔ قانون اور انصاف پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح کے سمجھوتوں سے مجرم چھوٹ جاتے ہیں جس سے معاشرے میں جرائم بڑھتے ہیں۔ ایک بات اور ہے، وہ یہ کہ ہم نے دیکھا پولیس کو قانون اور کرمنل پروسیجر کوڈ نہیں پڑھایا جاتا۔ اکثر پولیس والوں کی تعلیم بھی کوئی خاص نہیں۔ ان کا سماجی فہم بھی زیادہ نہیں ہوتا۔ انگریز نے یہ دیکھ کر کرمنل لا بنائے تھے کہ سماج میں جرائم کی نوعیت بدل رہی تھی، تعلیم یافتہ مجرم سامنے آرہے تھے، وہ جرائم کے لیے جدید طریقے اختیار کر رہے تھے۔ 1934ء کے پنجاب پولیس رولز کے مطابق تعلیم یافتہ مجرموں سے نمٹنے کے لیے ایک سب انسپکٹر یا انسپکٹر کی تعلیمی قابلیت گریجویٹ یا ایچ ای سن کالج سے ڈپلومہ یافتہ ہونا تھا۔ لیکن ہم نے کیا کیا! ہم نے سات جماعت یا میٹرک پاس بھرتی کیے جو اکثر جعلی اسناد اور رشوت کے ذریعے آتے ہیں۔ جس کے پاس رشوت دینے کے لیے فرض کریں تین لاکھ روپے نہیں ہیں، اسے رشوت کے لیے تین لاکھ فراہم کرنے والا اس سے کروڑوں روپے کمائے گا۔ آج کل کے زمانے میں فرانزک ثبوتوں کو دنیا بھر میں اولین اہمیت دی جا رہی ہے، اس کے لیے لیب ہیں جن میں ڈی این اے ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔ ہم اب بھی بیانی گواہی پر اٹکے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے صوبوں میں جدید فرانزک لیب ہونی چاہئیں، تبھی اصل مجرم سائنسی بنیاد پر اپنے انجام کو پہنچ سکتے ہیں۔

سوال نمبر 5 مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں۔

- (i) مال و جائیداد سے متعلقہ جرائم کا رجحان
- (ii) بچوں سے مشقت کے اسباب
- (iii) تفریح اور کھیل کود کی اہمیت
- (iv) ناقص ذرائع آمد و رفت اور وہی زندگی

1

-1 جرائم کی تقسیم تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ (1) مجرموں کی مختلف اقسام کے حوالے سے (2)

انسان کی ذات سے متعلق کئے جانے والے جرائم۔ (3) مال و جائیداد سے متعلق ہونے والے جرائم

-2 پاکستان میں 1982ء میں جن جرائم کی رپورٹ پولیس کو کی گئی ان کی تعداد 170682 تھی۔

-3 جرائم پیدا کرنے والے اسباب مخصوص معاشرتی ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔

-4 پاکستان کے دیہی علاقوں میں قتل شہروں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔

-5 ہمارے معاشرے میں قتل کی اہم وجوہات زر، زن اور زمین کا حاصل ہے۔

-6 عموماً زیادہ تر قتل مرد کرتے ہیں۔

-7 بعض ایسے مرد جو ذہنی و جنسی الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں اور اقتصادی طور پر وہ نکاح کے متحمل نہیں ہوتے

اپنی جنسی خواہشات کے لئے ناجائز جنسی تعلقات کا سہارا لیتے ہیں۔

-8 پاکستان میں بہت کم شادی شدہ عورتیں جنسی تسکین کے لیے زنا کا سہارا لیتی ہیں۔

- 9- جائیداد کے متعلق جرائم میں سندرھ پہلے نمبر پر ہے۔
- 10- جب سرقہ بالجبر میں مجرموں کی تعداد پانچ یا پانچ سے زیادہ ہو وہ ڈکیتی کہلاتی ہے۔
- 11- پاکستان میں بچوں اور لڑکیوں کا اغوا ایک باقاعدہ منظم گروہ کرتا ہے۔
- 12- عضویاتی مکتب فکر کے نظریات کے مطابق شراب نوشی کا سبب انسانی جسم میں کیمیائی نقائص اور غذا کی کمی ہے
- 13- نفسیاتی مکتب فکر کے مطابق گھر کا برا ماحول شراب نوشی کا سبب بنتا ہے۔
- 14- عمرانی مکتب فکر کے مطابق ایسا معاشرہ جہاں عدم استحکام، بے چینی، تشویش، عدم تحفظ ہو وہاں شراب نوشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
- 15- پاکستان اس وقت نشہ آور اشیاء کی سب سے بڑی منڈی ہے۔
- 16- منشیات کے استعمال اور پھیلاؤ میں سب سے اہم کردار اس کی باسانی دستیاب ہے۔
- 17- ہیروئن کی ایک گرام کی قیمت پاکستان میں 10 سے 25 روپے ہے جب کہ امریکہ میں اس کی قیمت 3000 ڈالر ہے۔

ایک تازہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں روزانہ 11 بچے جنسی زیادتی کا شکار بنتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار پاکستان میں بچوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والے ایک غیر سرکاری ادارے 'ساحل' نے جاری کیے ہیں۔

رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ 2016 کے دوران بچوں سے جنسی زیادتی اور تشدد کے واقعات میں دس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ادارہ کہتا ہے کہ گذشتہ برس بچوں سے جنسی زیادتی سمیت اغوا، گمشدگی اور جبری شادیوں کے 4139 کیس رجسٹرڈ ہوئے اور یہ تعداد 2015 کے مقابلے میں دس فیصد زیادہ ہے۔

کروڈل نمبرز، یا 'ظالمانہ اعداد و شمار' کے عنوان سے شائع کی جانے والی اس رپورٹ کے لیے ادارے نے 86 قومی، علاقائی اور مقامی اخبارات کی نگرانی کی۔

گذشتہ برس بچوں کے خلاف کیے گئے جو بڑے جرائم رپورٹ ہوئے ان میں اغوا کے 1455 کیس، ریپ کے 502 کیس، بچوں کے ساتھ بد فعلی کے 453 کیس، گینگ ریپ کے 271 کیس، اجتماعی زیادتی کے 268 کیس جبکہ زیادتی یا ریپ کی کوشش کے 362 کیس سامنے آئے۔

ان واقعات میں سب سے زیادہ سنگین جرم زیادتی کا شکار ہونے والے بچوں کا قتل ہے۔ رپورٹ کہتی ہے کہ جنسی حملوں کے بعد قتل کے کل 100 واقعات سامنے آئے۔

ادارے کی تحقیقات کے مطابق بچوں سے جنسی زیادتی اور تشدد کرنے والے مجرمان میں گھر کے اندر کے افراد، رشتہ دار اور واقف کار بھی ہو سکتے ہیں۔

گذشتہ سال بھی بچوں پر تشدد کرنے والوں میں زیادہ تعداد ان افراد کی تھی جو بچوں کو جانتے تھے۔ ان کی تعداد 1765 ہے۔ 1798 جنسی، 1589 جنسی واقف کار، 76 رشتہ دار، 64 پڑوسی، 44 مولوی، 37 اساتذہ اور 28 پولیس والے بھی بچوں پر جنسی تشدد میں ملوث پائے گئے۔

ادارے نے ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'یہ لوگ بچوں کو پھسانے کے لیے تحائف کی پیشکش کرتے ہیں، اُن سے محبت کا اظہار اور مختلف کاموں میں اُن کی مدد بھی کرتے ہیں۔ جنسی زیادتی میں کامیابی کے بعد یہ افراد بچوں پر اس راز کو خفیہ رکھنے کے لئے دباؤ بھی ڈالتے ہیں۔'

رپورٹ کے مطابق سال 2016 میں پاکستان کے دیہی علاقوں سے 76 فیصد جبکہ شہری علاقوں سے 24 فیصد واقعات رپورٹ ہوئے۔ ان میں زیادتی کے واقعات کی شرح کچھ یوں رہی: پنجاب میں 2676، سندھ میں 987، بلوچستان میں 166، اسلام آباد میں 156، خیبر پختونخوا میں 141، پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں نو، اور گلگت بلتستان سے چار واقعات رپورٹ ہوئے جبکہ اس سال فٹا سے کوئی کیس رپورٹ نہیں ہوا۔ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ 11 سے 18 سال کے بچے سب سے زیادہ اغوا ہوئے۔ 16 سے 18 سال کی لڑکیوں کے اغوا کے واقعات میں اضافہ جبکہ لڑکوں کے اغوا کے واقعات میں کمی ریکارڈ کی گئی۔

کم عمری کی شادی کے کل 176 واقعات میں سے 112 صوبہ سندھ میں جبکہ 43 پنجاب میں رپورٹ ہوئے۔ ادارے نے ذرائع ابلاغ میں متاثرہ بچوں کی شناخت ظاہر کرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملک میں خبر کی رپورٹنگ کے بارے میں ضابطہ اخلاق موجود ہونے کے باوجود 47 فیصد بچوں کے نام، 23 فیصد بچوں کے والدین کے نام جبکہ چھ فیصد واقعات میں نام کے ساتھ تصاویر بھی شائع کی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق تشویش ناک بات یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کی بڑی تعداد ان کے رشتہ داروں اور جاننے والوں کی ہوتی ہے

سات سے گیارہ سال کے بچوں سے مشقت لینے کا مکروہ دھندہ عروج پر متعلقہ محکمہ نے حقائق کا علم ہونے کے باوجود آنکھیں بند کر لیں۔ فیکٹریوں، ہوٹلوں، دوکانوں اور چائے والوں اور رکشہ والوں کے پاس کام کرنے والوں میں زیادہ تعداد کم عمر بچوں کی ہے۔ لیبر ڈیپارٹمنٹ اور چائلڈ لیبر مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔ وزیر اعلیٰ فوری نوٹس لیں۔ تفصیلات کے مطابق بھائی پھیر و اور گردنواح میں فیکٹریوں، ہوٹلوں، دوکانوں، چائے کے کھوکھوں اور رکشہ والوں پر کام کرنے والے بچوں کی عمریں تقریباً سات سے گیارہ سال کی ہیں قلم اور کتاب اٹھانے والے ہاتھ جبری مشقت کرنے پر مجبور۔ اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرنے والے افراد نے بچوں پر بھٹہ مزدوری پر پابندی لگنے کی وجہ سے اپنے بچوں کو ہوٹلوں اور دوکانوں پر کام کرنے کیلئے بھیجنا شروع کر دیا۔ جس سے شہر میں واقع ہوٹلوں، دوکانوں پر کام کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعداد کم عمر بچوں کی ہے ہوٹلوں اور دوکانوں پر ننھے بچے سارا سارا دن کام کرتے ہیں اور ان کو ماہانہ 1500 سے 3000 ہزار تک تنخواہ دی جاتی ہے۔ رکشہ مالکان نے بھی اپنے رکشوں پر نابالغ بچوں کو ڈرائیور رکھ کر عوام کی زندگیوں کو داؤ پر لگا رکھا ہے۔ لیبر ڈیپارٹمنٹ اور چائلڈ لیبر کی خاموشی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ محکمہ کی ملی بھگت سے یہ مکروہ دھندہ جاری ہے۔

کھیل صحت مند زندگی کے حصول کیلئے نہایت ضروری ہے۔ 'کھیل' یعنی کوئی بھی ایسا کام جو ہماری ذہنی اور جسمانی نشوونما میں اہم کردار ادا کرے۔ کھیل صرف تفریح کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ جسم کو چاق و چوبند اور صحت مند بنانے کا بھی ذریعہ ہے۔ کھیلنے سے دماغ تروتازہ ہوتا ہے اور ایسی قائدانہ صلاحیتوں کو ابھارتا ہے جو کوئی اور چیز نہیں ابھار سکتی۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے "A sound body has a sound mind." اگر کھیل نہ ہو تو ہمارا جسم بالکل لاغر و کمزور ہو جاتا ہے۔ بہت سی بیماریاں اس کو گھیر لیتی ہیں اور وہ جلد بڑھاپے کی طرف بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کی خود اعتمادی لڑکھڑانے لگتی ہے۔ کھیل خواہ کسی بھی قسم کے ہوں Indoor یا Outdoor، ہر طرح سے انسانی نشوونما پر اثر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ Indoor کھیل، جس میں چیس، لوڈو، کیرم، سکواش، سنوکر، ٹیبل ٹینس، سکر بل اور ڈارٹ وغیرہ شامل ہیں۔ اس سے دماغی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی قابلیت بھی ابھرتی ہے۔ Outdoor کھیل، جس میں کرکٹ، فٹ بال، باسکٹ بال، والی بال، مختلف قسم کی دوڑیں، ٹینس اور بیڈمنٹن وغیرہ سر فہرست ہیں، جو ہمارے جسم کو چست، لچکدار اور پھر تیلانا بناتے ہیں۔ جو بچہ فزیکل فیٹنس کے اصول سے واقف ہو وہ خود کو ہر کھیل کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ اور اس سے اس کی انفرادی اور اجتماعی طور پر کام کرنے کی صلاحیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کھیل کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی اداروں نے بھی اس میدان میں قدم رکھ دیا ہے۔ اسی لیے اب اسکول میں جب بچہ پہلا قدم رکھتا ہے تو اسے تعلیم کے ساتھ ہی کھیل کی طرف بھی متوجہ کرایا جاتا ہے۔ جسے اسکول لیول پر غیر نصابی سرگرمیاں (Co-Curricular Activities) کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے۔ تاکہ بچہ شروع سے ہی چست اور توانا ہو اور تعلیم پر بھی خوشی سے توجہ دے۔ جبکہ کالج اور یونیورسٹی لیول پر اسے باقاعدہ ایک مضمون فزیکل ایجوکیشن (Physical Education) کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے۔ جس میں کھیل میں دلچسپی لینے والے طلباء داخلہ لے کر اس شعبے میں اپنا مقام بنا سکتے ہیں۔ اور یہ ہر طرح کے بچوں کا ولیکم کرتا ہے۔ یعنی اسپیشل بچوں کو بھی آگے بڑھنے کا بھرپور موقع دیتا ہے۔ اور ان کھیلوں سے متعلق تعلیمی اداروں میں مختلف قسم کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ جن میں کئی قسم کے کھیلوں کے مقابلے کروائے جاتے ہیں اور پھر اس میں پوزیشن لینے والوں میں سند، انعامات اور ٹرائی تقسیم کی جاتی ہے۔ مگر افسوس! آج بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ کھیل صرف وقت کا ضاع ہے یا پھر فارغ وقت گزارنے کا ذریعہ ہے۔ یہ لوگ بچوں کو صرف تعلیم پر زور دینے کیلئے مجبور کرتے ہیں کیونکہ شاید یہ لوگ کھیلوں کی اہمیت اور ان کے بے شمار فوائد سے انجان ہیں۔ جبکہ کھیل انسان کی شخصیت کو سنوارنے میں بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کھیل کود سے انسان میں فرماں برداری، تحمل مزاجی، صبر، انتظام اور قوت برداشت بڑھتی ہے۔ انسان اتفاق رائے سے کام کرنا اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اور اس میں دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے اسے شکست دینے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ہر کھیل کے اپنے قواعد و ضوابط ہوتے ہیں جو کہ کھلاڑی کو نظم و ضبط کا پابند بناتے ہیں۔ کھیل کے دوران جب کھلاڑی ناکام ہو جائے تو وہ ہمت نہیں ہارتا اور ناہی غصہ یا ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک کھلاڑی بخوبی جانتا ہے کہ ہارجیت تو کھیل کا حصہ ہے۔

اسی پر ہماری نیو بولٹ نے کہا ہے: 'کھلاڑی کو انعام کی پروا کئے بغیر کھیلنا چاہئے' اور اسی کو وہ سامنے رکھ کر دوبارہ کوشش کرتا ہے۔ اور جیت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ جس سے انسان کا کردار مضبوط ہوتا ہے۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ کھیل روح کی غذا بھی ہے۔ کھیل سائنسی طرز سے بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کھیل سے انسان کا دماغ تیز ہوتا ہے اور

صحیح کام کرنے میں مدد دیتا ہے۔ جسم کے اعضاء طاقتور اور پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ انسان کی طبیعت بھی ہشاش بشاش رہتی ہے۔ کھیلنے سے انسان کا جسم بالکل فٹ رہتا ہے اور بیماریاں بھی دور رہتی ہیں۔ کیونکہ کھیل ورزش کی ہی ایک قسم ہے اور بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرتی ہے۔ مختلف بیماریوں کے علاج کو مد نظر رکھتے ہوئے میڈیکل کی فیلڈ میں بھی 'فزیکل تھراپی' متعارف کروائی گئی ہے۔ جس میں لوگوں کے دماغ اور جسم کے مختلف اعضاء کے صحیح سے کام کرنے کے لئے مختلف اقسام کی ورزش کروائی جاتی ہے۔ جو کہ اصل میں کھیل کا ہی حصہ ہے۔ اسی کو مد نظر رکھتے ایک شعبہ ہیلتھ اینڈ فزیکل ایجوکیشن کے نام سے بنایا گیا ہے۔ جہاں ورزش اور صحت کے متعلق تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس پہ ریسرچ اور پریکٹس بھی کروائی جاتی ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جس معاشرے میں کھیل کے میدان آباد ہوتے ہیں تو اس معاشرے کے اسپتال ویران ہوتے ہیں اور ایسے معاشرے کی ترقی اور خوشحالی یقینی ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ حکومت کی جانب سے بھی کھیل کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ اور حکومت نے تعلیمی اداروں میں بھی کھیل کے میدان کے موجود ہونے پر خاص توجہ دی ہے اور ان تعلیمی اداروں میں کھیلنے کے مناسب وقت، جگہ اور ماحول کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے ایک بورڈ بھی تشکیل دیا گیا ہے۔ جو کہ پہلے چھوٹے پیمانے پہ مقابلوں کا انعقاد کرتا ہے۔ اور پھر بہترین کھلاڑی کو سلیکٹ کر کے اسے قومی اور پھر بین الاقوامی سطح پر کھیلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ پہلے صرف مردوں کو اس میں حصہ لینے کی اجازت تھی مگر اب خواتین کیلئے بھی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو انہیں بھی بین الاقوامی سطح پر کھیلنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ ان فیسٹیول میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد حصہ لیتے ہیں اور دل و جان سے پُر اعتماد ہو کر اپنی صلاحیتوں کو پیش کرتے ہیں۔ جہاں قومیں کافی حد تک اپنی ایک شناخت بناتی ہیں اور اپنے ملک کا نام روشن کرتی ہیں۔ اس لئے کھیلوں کی اہمیت نہ صرف طلباء اور جوانوں میں نا قابلِ تردید ہے بلکہ قوموں کی عظمت اور شناخت بھی کھیلوں سے منسلک ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھیل ناصرف انسان کی ذاتی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ ملک کی خوشحالی اور ترقی میں بھی ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ اور تو اور کھیل وقت کا ضیاع نہیں بلکہ یہ وہ وقت ہے جو انسان کی مصروفیت بھری زندگی کو خوشگوار بناتا ہے۔

4

پاکستان کی ساٹھ فیصد سے زائد آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے اور زیادہ تر زرعی شعبے سے وابستہ ہے۔ ہمارا کسان دن رات محنت کر کے وطن عزیز کیلئے خوراک اور صنعتوں کیلئے خام مال فراہم کرتا ہے۔ اس وقت ہماری برآمدات کا تقریباً 60 فیصد سے زائد حصہ براہ راست یا بالواسطہ زرعی شعبے کا ہی مرہونِ منت ہے۔ مقامی سطح پر روزگاری فراہمی میں بھی یہ شعبہ اپنا بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ ملک کی اقتصادی، مالی، معاشرتی صورت حال کو ترقی دینے اور اسے مستحکم بنانے میں زرعی شعبے کا ہمیشہ سے ہی قابل ذکر حصہ رہا ہے اس کی سالانہ شرح نمو دوسرے شعبوں کی نسبت اوسطاً بہتر رہی ہے۔ اس کے باوجود زرعی شعبہ ہمیشہ سے حکمرانوں کی نظروں میں عملی طور پر غیر اہم رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نعروں اور دعوؤں میں ہمیشہ زرعی اور دیہی ترقی کا خواب دکھایا جاتا رہا ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ آپ پاکستان کے کسی بھی دیہی علاقے میں چلے جائیں آپ کو 16 ویں صدی یاد آجائے گی۔ گھپ اندھیروں میں ڈوبے دیہات آپ کو یقیناً پتھر اور غاروں کے زمانے کی یاد دلادینگے۔ شہروں میں چند گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ سے ہر طرف

Course: Imraniyaat (5415)

Semester: Spring 2021

طوفان برپا ہو جاتا ہے جبکہ دیہی علاقوں میں بجلی صرف اپنی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے آتی ہے یہی حال تعلیم، صحت، پانی، نکاسی آب، سڑکوں، صفائی اور دوسرے شعبوں کا ہے۔ بارش کے موسموں میں ایک دیہات کا دوسرے دیہات کے ساتھ رابطہ ممکن ہی نہیں رہتا ہے۔ ہر گاؤں کے ارد گرد گندے پانی کے تالاب اور گندگی کے ڈھیر حکومت اور ماحولیاتی آلودگی کے ماہرین کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ یہاں بھی تو انسان بستے ہیں تعلیمی اداروں کی عمارتوں کی حالت زار، اساتذہ کی کمی اور تعلیمی معیار، خواندگی کی شرح کے بڑھتے ہوئے جعلی گراف کو بے نقاب کرنے کیلئے کافی ہے۔ صحت عامہ کی اگر اصل صورتحال سامنے آجائے تو لوگ دانتوں میں اپنی انگلیاں دبالیں گے اور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ایسے ماحول میں دیہی عوام زندہ کیسے ہے؟ پینے کا آلودہ پانی دیہی عوام کو کینسر، جگر، معدے، ہیضے، ہڈیوں اور کئی جان لیوا بیماریوں کا شکار کر رہا ہے۔ زچہ بچہ کی صحت کے نام پر عالمی اداروں سے قرضے اور امداد بٹورنے والوں کو شاید دیہی علاقوں میں بڑھتی ہوئی شرح اموات اس لئے نظر نہیں آتی کہ ان کی ترجیح صرف بڑے بڑے شہر ہی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ زچہ بچہ کی صحت کے بارے میں جو بھی سیمینار مذاکرے یا سمپوزیم ہوتے ہیں وہ شہر کے بڑے بڑے فائیسٹار ہوٹلوں میں ہی ہوتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی کے ماہرین کو دیکھ لیں ان کی سرگرمیاں اور حیران کن کارکردگی سب بڑے اور کبھی کبھی چھوٹے شہروں تک ہی محدود نظر آتی ہے۔ شہری علاقوں کے نوجوانوں کو کس حد تک کھیلوں کے میدان اور ان ڈور سپورٹس کی سہولتیں میسر ہیں لیکن دیہی علاقوں کے نوجوانوں کو کچھ بھی تو میسر نہیں وہ بے چارے کسی کھیت میں جا کر اپنا یہ شوق پورا کر لیتے ہیں۔ آپ حیران ہونگے کہ حکومت ہر سال دیہی ترقی کے نام پر بیرون ممالک سے قرضے اور امداد تو حاصل کر لیتی ہے لیکن وہ کہاں خرچ ہوتے ہیں اس سے دیہی علاقوں میں کون کون سے منصوبے شروع ہوئے، دیہات میں کس قدر ترقی ہوئی یہاں کے رہنے والوں کے لائف سٹائل میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ یہاں سے بیروزگاری کی شرح میں کس قدر کمی ہوئی کسی کو کچھ نہیں پتہ۔ کیونکہ نام نہاد اور نمائشی کارکردگی انسانی آنکھ سے کبھی بھی نظر نہیں آتی۔ ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں نے ہمیشہ اپنے مخصوص سیاسی مفادات کے حصول کیلئے دیہی ترقی کے بلند بانگ دعوے کئے ان غریب عوام کی ہمدردیاں اور ووٹ حاصل کئے اور پھر انہیں یکسر فراموش کر دیا جس سے دیہی ترقی کا خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس وقت پاکستان 30 ہزار ارب روپے کے بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اس کے علاوہ ملکی معیشت کو چلانے کیلئے بارہ ارب ڈالر کی فوری ضرورت تھی جس کے حصول کیلئے ہمیں جو کچھ کرنا پڑا وہ سب کے سامنے ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور اقتصادی ماہرین کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ہر راستہ زرعی شعبے کا مرہون منت ہے لیکن بد قسمتی سے یہ شعبہ کبھی بھی ہماری ترجیح نہیں رہا۔ ہم یہ راگ تو اکثر الاپتے رہتے ہیں کہ ہماری معیشت کا زیادہ تر دار و مدار زراعت پر ہے لیکن عملاً کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ آپ حیران ہونگے کہ اس وقت پاکستان میں صرف 23.25 ملین ہیکٹر رقبہ پر کاشتکاری ہو رہی جبکہ 8.25 ملین ہیکٹر رقبہ قابل کاشت ہونے کے باوجود زیر استعمال نہیں ہے۔

تمام کلاسز کی حل شدہ مشقیں ہماری ویب سائٹ DIGITALSPOT.PK سے FREE میں ڈاؤن لوڈ کریں

LMS پر اپلوڈ کرنے کے کیلئے WORD یا اپنے نام سے PDF میں اسائنمنٹ مناسب قیمت میں حاصل کرنے کے لئے ہمارے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں

گھر بیٹھے ہاتھ سے خوشخط لکھی ہوئی اسائنمنٹ منگوائیں وہ بھی بلکل مناسب قیمت پر تو ابھی آرڈر کرنے کے لئے ہم سے ویس ایپ نمبر +923065772734 پر رابطہ کریں